© rasailojaraid.com

تعارف و تبصرہ کتب

نام کتاب : تحدیث نعمت

مولف : مولانا محمد منظور نعمانی

مرتب : مولانا عتیق الرحمٰن سنبھلی

طابع : الفرقان بک ڈپو۔ نظیر آباد۔ لکھنؤ

تاریخ اشاعت : اپریل ۱۹۹۷ء

تبصرہ نگار : ڈاکٹر محمود احمد غازی ☆

مولانا محمد منظور نعمانیؒ کا نام اور کام برصغیر کی دینی اور اصلاحی تاریخ کا ایک بہت محترم نام اور معتبر باب ہے۔ انہوں نے اپنی پچانوے سالہ عمر کا بیشتر حصہ (کم و بیش پچھتر سال کا عرصہ) درس و تدریس، تصنیف و تالیف اور دعوت و تبلیغ میں بسر کیا۔ بیسویں صدی میں برصغیر کے جن اہل علم نے عام فہم دینی موضوعات پر عصر حاضر کے اسلوب میں مقبول ترین اور موثر ترین دینی لٹریچر پیدا کیا ان میں مولانا نعمانی کا نام بہت نمایاں ہے۔ ان کی مقبول عام تصانیف دین و شریعت، اسلام کیا ہے اور معارف الحدیث کے مختلف زبانوں میں درجنوں ایڈیشن نکلے اور اطراف عالم میں دلچسپی اور ذوق و شوق سے پڑھے گئے۔

مولانا نعمانی برصغیر کے ان معدودے چند اکابر میں سے تھے جن کو برصغیر کی بہت سی دینی تحریکات میں براہ راست حصہ لینے کا موقع ملا۔ آریہ سماجیوں سے مناظرے، قادیانی عقائد باطلہ کی تردید، جماعت اسلامی اور تبلیغی جماعت میں شمولیت اور بعض مذہبی فرقوں کے خیالات کی تصحیح جیسے کاموں میں مولانا نے اپنی زندگی کے مختلف سالوں میں اپنی صلاحیتوں کا بہترین حصہ صرف

☆ نائب صدر، بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی، اسلام آباد

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کیا۔ وہ جماعت اسلامی کے اولین موسسین میں سے تھے اور کئی سال بانی جماعت مولانا سید ابو الاعلی مودودی کے ہمراہ دارالاسلام پٹھان کوٹ میں مقیم رہے۔ ان کو تبلیغی جماعت کے بانی حضرت مولانا محمد الیاس اور ان کے جانشین مولانا محمد یوسف کے ہمراہ بھی تبلیغی جماعت کے پروگراموں میں حصہ لینے کا بارہا موقعہ ملا۔

تقسیم ہند کے بعد جب مسلمانان بھارت کو گوناگوں مسائل و مشکلات کا سامنا کرنا پڑا تو جن درد مند اہل علم اور مخلص اصحاب دل نے آگے بڑھ کر ملت اسلامی کی اس ڈوبتی کشتی کو سہارا دینے میں حصہ لیا ان میں مولانا محمد منظور نعمانی کا نام صف اول کے راہنماؤں میں آتا ہے۔ ان کی ملی خدمات کا ہندوستان سے باہر کے دینی حلقوں میں بھی اعتراف کیا گیا۔ وہ سالہا سال تک مفتی اعظم فلسطین الحاج محمد امین الحسینی، شیخ محمد سرور الصبان، مولانا سید ابوالاعلی مودودی اور مولانا سید ابوالحسن علی ندوی جیسے اکابر کے ہمراہ رابطہ عالم اسلامی کی مجلس تاسیسی کے رکن رہے۔

برصغیر کے بہت سے دینی اکابرین کی علمی روایت کے برعکس مولانا محمد منظور نعمانی نے اپنی زندگی کے بہت سے مشاہدات و واقعات تحریر کیے اور آئندہ آنے والوں کے لیے اپنے تاثرات و مشاہدات اور تجارب و وقائع قلم بند کیے۔ قبل ازیں آپ کی ایک مفصل کتاب جس میں مولانا مودودی سے اپنی رفاقت اور جماعت اسلامی سے وابستگی کی پوری تفصیل بیان کی گئی تھی شائع ہو چکی ہے۔ اب زیر نظر کتاب جو مولانا مرحوم کی وہ آخری تصنیف ہے جو ان کی زندگی میں شائع ہوئی گویا اس سلسلہ کی دوسری کڑی ہے۔ یہ ایک ایسے سلسلہ مضامین پر مشتمل ہے جو مولانا نعمانی نے تحدیث نعمت کے طور پر لکھا۔ یہ مضامین ایک عرصہ سے الفرقان (مولانا کے جاری کردہ مشہور دینی ماہنامہ) میں شائع ہوتے رہے تھے۔ مضامین کا یہ سلسلہ بنیادی طور پر ان دینی شخصیتوں کے بارے میں مولانا کے تاثرات و مشاہدات پر مشتمل تھا جن سے مولانا کو کسب فیض کرنے کا موقعہ ملا۔ لیکن یہ بات قابل ذکر ہے کہ اب ان مضامین کی کتابی شکل میں اشاعت کے وقت کتاب کے فاضل مرتب (اور مولانا کے فرزند ارجمند) مولانا عتیق الرحمٰن سنبھلی نے ان میں جا بجا اضافے اور ترامیم کر دی ہیں۔ یہ اضافے اور ترامیم کس حد تک مصنف مرحوم کے اصلی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مشاہدات و تاثرات اور آراء کے مطابق ہیں یہ کہنا بڑا دشوار ہے۔ اس لیے کہ خود جناب مرتب کے بیان کے مطابق "مصنف مدظلہ اضافہ کے اس پورے کام پر اپنی کمزوری کی وجہ سے نگاہ نہیں ڈال سکے تھے۔" (ص ۹) اور مصنف کی "مرضی کے مطابق ترمیم کی کوئی کوشش اگر اس دوران میں کسی اور ذریعہ سے کی گئی تو وہ بھی آپ کے لئے اطمینان بخش نہ ہو سکی، اس لئے کہ ضعف اور خاص طور سے گویائی کے ضعف کی وجہ سے آپ اپنی مطلوبہ شکل کا اظہار پوری طرح نہیں فرما سکتے تھے۔" (ص ۹)۔ اگرچہ جناب مرتب کے بیان کے مطابق "سب کچھ نظر سے گزار دیا گیا ہے" لیکن مذکورہ بالا صورت حال میں ان کو مکمل طور پر مولانا محمد منظور نعمانی کے تاثرات ومشاہدات قرار دینا مشکل معلوم ہوتا ہے۔

کتاب کو دو حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔ حصہ اول میں "نعمت علم اور توفیق عمل" کے عنوان سے مولانا نے ان خاص خاص الطاف و عنایات کو سپرد قرطاس و قلم کیا ہے جو اللہ تعالیٰ نے ان پر فرمائے۔ یہ حصہ ایک طرح سے مولانا کی مختصر علمی خود نوشت سوانح عمری ہے جس کا اسلوب حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کے رسالہ "الجزء اللطیف" سے بہت کچھ ملتا ہے۔ اس حصہ میں مصنف نے اپنے قیام دارالعلوم دیوبند کو نسبتاً ذرا زیادہ تفصیل اور بہت قلبی ذوق و شوق سے بیان کیا ہے۔ دیو بند اور اکابر دیوبند سے ان کی دلی عقیدت اور قلبی محبت اس حصہ میں بڑی نمایاں ہے۔ خاص طور پر محدث جلیل علامہ انور شاہ کشمیری کا تذکرہ اختصار کے باوجود بہت موثر ہے۔ مصنف کو علامہ سے بیعت کا شرف بھی حاصل ہوا جس کے ذکر میں بڑا قلبی انبساط جھلکتا ہے۔

مولانا منظور نعمانی کو ایک زمانہ میں مناظروں سے خاصا شغف رہا اور ان کو برصغیر میں علمائے دیوبند کے ایک کامیاب وکیل اور موثر مناظر کی حیثیت سے شہرت حاصل ہوئی۔ یہ مناظرے غیر مسلم گروہوں سے بھی ہوئے اور مسلم مکاتب فکر سے بھی۔ مولانا نے کتاب کے اس حصہ میں (ص ۳۷ ۔ ۶۶) ایسے چند مناظروں کی تفصیل بیان کی ہے۔ ان مناظروں کے ضمن میں مولانا نے شوال ۱۳۵۴ھ (۱۹۳۵ء) میں لاہور میں ہونے والے ایک مناظرہ کی تفصیل بیان کی ہے جو علمائے دیوبند اور علمائے بریلی کے مابین ہونا طے پایا تھا۔ اس مناظرہ کی خاص بات یہ تھی کہ اس میں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

فریقین نے حکیم الامت حضرت علامہ اقبال، مولانا اصغر علی روحی اور شیخ صادق حسین بیرسٹر امرتسر کو حکم تسلیم کیا تھا۔ لیکن افسوس کہ بہت کچھ تیاریوں اور شرائط کے باوجود یہ مناظرہ نہ ہوسکا۔ ورنہ شاید علامہ اقبال جیسے بالغ نظر حکیم و مفکر اور محترم قائد کی موجودگی فریقین کو ایک دوسرے کے قریب لانے کا سبب بنتی۔

رسالہ الفرقان جو مولانا کی ادارت اور راہنمائی میں تقریباً" ساٹھ سال تک نکلتا رہا مولانا کی دینی اور علمی زندگی کا ایک اہم باب اور مرکزی عنوان ہے۔ مولانا نے (ص ۴۹ - ۸۴) الفرقان کی مختصر داستان اور اس کا پس منظر تفصیل سے بیان کیا ہے اور بتایا ہے کہ اس رسالہ کی ضرورت انہوں نے کن حالات میں محسوس کی اور رسالہ کن مشکلات و مراحل سے گزرا۔ الفرقان کے علاوہ حصہ اول میں مولانا نے اپنی دوسری سیاسی، دینی اور ملی سرگرمیوں اور تصانیف وغیرہ کا بھی تذکرہ کیا ہے۔

کتاب کا دوسرا حصہ جو نہ صرف اہم بلکہ طویل بھی ہے اس کو مولانا نے "بندگان حق کی یافت" کا عنوان دیا ہے۔ اس حصہ کے آغاز میں فاضل مرتب نے "ایک معذرت، بصد افسوس" پیش کی ہے جس میں بتایا ہے کہ مصنف مرحوم پر فالج کے حملہ اور ان کے ایک صاحبزادہ (جو کتب خانہ اور پریس کے بھی منتظم ہیں) کے اچانک آپریشن کی وجہ سے "جہاں اور بہت سے کاموں پر اثر پڑا وہیں ایک نہایت تکلیف دہ بات یہ بھی ہوگئی کہ کتاب کے دوسرے حصہ کی ترتیب کچھ سے کچھ ہوگئی اور اس کا پتہ کتاب کے مجلد ہوکر سامنے آنے کے بعد چلا" (ص ۲۰ کے بعد اضافی صفحہ جس پر نمبر درج نہیں) آگے چل کر لکھتے ہیں کہ کتاب کی یہ ترتیب ربط بیان کے سلسلہ میں کچھ پریشانی کا باعث بھی کہیں ہوجائے گی۔

اس حصہ میں جن اکابر کا ذکر ہے اس میں شیخ الہند حضرت محمود الحسن کا تذکرہ سب سے پہلے ہے جن کی مصنف مرحوم کو اپنی طالب علمی کے دور میں ایک جھلک دیکھنے کا موقعہ ملا۔ یہ تذکرہ اگرچہ بہت مختصر ہے لیکن شیخ الہند کی ذات بابرکات سے محبت اور عقیدت اس میں بڑی نمایاں ہے۔ شیخ الہند کے اس مختصر ذکر کے بعد دارالعلوم دیوبند کے دو نامور عثمانی برادران یعنی مفتی اعظم دارالعلوم مولانا عزیز الرحمٰن عثمانی اور ان کے برادر خورد اور مہتمم دارالعلوم مولانا حبیب

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

الرحمٰن عثمانی کا ذکر ہے جس سے ان دونوں حضرات کی للہیت اور اخلاص کا گہرا اثر قائم ہوتا ہے۔

دوسرے حصہ میں سب سے طویل اور شاید سب سے اہم تذکرہ حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی کا ہے جن کے نام اور کام سے مصنف بچپن ہی میں مانوس ہوگئے تھے۔ مولانا تھانوی سے مصنف کو کئی بار ملاقات اور استفادہ کا موقعہ ملا جس کی تفصیل کتاب میں (ص ۱۳۹ ـ تا ـ ۱۸۶) دی گئی ہے۔ ان مشاہدات سے مولانا اشرف علی تھانوی کے ہاں معاملات کے حسن انتظام اور حسن ترتیب کی اہمیت کا اندازہ ہوتا ہے جو ان کے انداز تربیت کا ایک بہت اہم عنصر ہوتا تھا۔

اس پوری کتاب میں سب سے زیادہ قابل ذکر اور افسوس ہے کہ سب سے زیادہ محل نظر حصہ وہ ہے جس کو مولانا نعمانی نے "دوسری حاضری اور ایک غیر معمولی واقعہ" کا عنوان دیا ہے۔ اگر یہ کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا کہ کتاب کے اس حصہ نے مولانا کی ان یادداشتوں کے استناد کے بارے میں ایک غیر معمولی شک و شبہ کا تاثر پیدا کردیا ہے۔ حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی کی کانگریس سے بیزاری بلکہ کانگریس دشمنی سے ہر وہ شخص پوری طرح آگاہ ہے جو ان کی سوانح اور خیالات و نظریات سے کچھ نہ کچھ واقفیت رکھتا ہے۔ گاندھی کی عیارانہ چالوں کے وہ تحریک خلافت (۱۹۱۹ ـ ۱۹۲۵) ہی کے دور سے بہت بڑے ناقد تھے۔ ان کی تحریروں میں گاندھی سے نفرت کا اندازہ اس سے ہوتا ہے کہ وہ گاندھی کا نام لینا بھی گوارا نہیں کرتے' بلکہ اس کیلئے طاغوت کا لفظ استعمال کرتے ہیں۔ کانگریس سے ان کی بیزاری تحریک خلافت ہی کے زمانہ سے شروع ہوئی اور وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اس میں اضافہ ہی ہوا کمی نہیں ہوئی۔ یہاں تک کہ انہوں نے اپنی مادر علمی دارالعلوم دیوبند کی سرپرستی سے اس وقت استعفاء دے دیا جب وہاں کانگریس کے نامور لیڈروں کی تقریریں کرائی گئیں اور ان کے (مولانا تھانوی کے) بار بار کہنے پر نہ اس حرکت پر اظہار ندامت کیا گیا اور نہ اہل دیوبند اس سے باز آئے۔ جب اہل دیو بند کا کانگریس سے مزید خلاملا بڑھا تو مولانا تھانوی نے ایک مطبوعہ اشتہار کے ذریعہ ان تمام اکابرین دیوبند (بشمول مولانا حسین احمد صاحب) سے لاتعلقی کا اعلان کردیا اور ایسے تمام حضرات کو اپنے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہاں آنے سے منع کردیا جو کانگریس سے تعلق رکھتے ہوں۔ اس زمانہ میں مسلم لیگ سے ان کی دلچسپی بڑھتی گئی اور بالاخر ۱۹۴۰ء کی قرارداد لاہور کے بعد وہ پاکستان کے صف اول کے مویدین میں شمار ہوئے۔

اس پس منظر میں مولانا محمد منظور نعمانی کا یہ دعویٰ انتہائی محل نظر ہے کہ ۱۹۳۷ء میں انہوں نے تھانہ بھون جاکر مولانا اشرف علی تھانوی سے ملاقات کی اور گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ کے نفاذ (۱۹۳۵ء) کے بعد کی صورت حال کی وضاحت کرکے تجویز کیا کہ علماء کرام کو کانگریس کا ساتھ دینا چاہیئے اور کانگریسی علماء کا مجوزہ سیاسی راستہ اپنا لینا چاہیئے۔ اس پوری گفتگو کو سن کر (بقول مولانا محمد منظور نعمانی) مولانا تھانوی نے فرمایا کہ میں اس بات کے لیے تیار ہوں کہ جمعیۃ العلماء میں شامل ہوجاؤں اور کانگریس کا بھی ممبر بن جاؤں۔ (ص ۱۵۸) مولانا نے ان گفتگوؤں میں جن حضرات کا شریک ہونا بیان فرمایا ہے افسوس کہ ان میں سے اب کوئی بھی موجود نہیں ہے۔ اب تو مولانا کے اس بیان کی تصدیق یا تردید کے لیے مولانا اشرف علی تھانوی کی اپنی تحریریں اور بیانات اور خطوط و مکاتیب ہی کام دے سکتے ہیں' جو سب کے سب بلا استثناء اور بصراحت مولانا نعمانی کے اس بیان کی تردید کرتے ہیں۔ خود مولانا کی اس کتاب میں تیسری حاضری اور ایک قابل ذکر واقعہ کے عنوان سے (ص ۱۴۹ - ۱۵۷) جو یادداشتیں درج کی گئی ہیں ان سے بھی مذکورہ بالا بیان مطابقت نہیں رکھتا۔ اس قابل ذکر واقعہ میں جو مذکورہ بالا مبینہ واقعہ سے اگلے سال ہی پیش آیا مولانا تھانوی نے نعمانی صاحب کو تار دے کر بریلی سے بلایا اور فرمایا کہ مسلم لیگ کی قیادت (نواب محمد اسماعیل خان وغیرہ) نے ان سے وعدہ کیا ہے کہ وہ مسلم لیگ ورکنگ کمیٹی میں مولانا تھانوی کے نامزد کردہ ایک عالم کو شامل کرلیں گے۔ کتاب کے مطابق اور مولانا تھانوی کی رائے میں اس کام کیلئے مولانا نعمانی موزوں تھے' لہٰذا ان سے گزارش کی گئی کہ وہ مسلم لیگ کی ورکنگ کمیٹی کی رکنیت قبول کرلیں۔ لیکن مولانا نعمانی نے معذرت کردی۔ اگرچہ یہ دوسرا واقعہ بھی مولانا نعمانی کے ضعف حافظہ کے اثر سے خالی معلوم نہیں ہوتا تاہم اگر اس کو درست مان لیا جائے تو پھر پہلے واقعہ کی توجیہ مشکل ہوجاتی ہے۔

کتاب کے بقیہ حصہ میں دوسرے اکابرین دین اور راہنمایان دعوت کا تذکرہ ہے۔ ان میں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بانی تبلیغی جماعت حضرت مولانا محمد الیاس، ان کے ایک نیاز مند نومسلم مرید حاجی عبدالرحمٰن، مولانا شاہ وصی اللہ صاحب (خلیفہ مولانا اشرف علی تھانوی)، پنجاب کے مشہور مفسر قرآن اور بزرگ عالم دین مولانا حسین علی شاہ صاحب (واں بچھراں)، جو دھپور کے ایک صوفی بزرگ حاجی عبدالغفور صاحب (یکے از مجازین مولانا تھانوی)، مولانا حسین احمد، شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا، حضرت مولانا عبدالقادر صاحب رائے پوری اور لکھنؤ کے مولانا عبدالشکور فاروقی شامل ہیں۔ ان تذکروں میں سب سے زیادہ خاص بات ان حضرات سے مولانا نعمانی کی عقیدت کے علاوہ ان بزرگوں کی شخصیت، اخلاق اور کردار کی بلندی اور اخلاق و ایقان ہے جس کا اظہار اس کتاب کے صفحہ صفحہ سے ہوتا ہے۔

کتاب تاریخ کے طلبہ کیلئے دلچسپ اور علماء و مشائخ کے تذکروں سے شغف رکھنے والوں کے لیے مفید ہے۔ کتابت وطباعت اچھی ہے۔ قیمت بھی مناسب ہے۔ آخر میں اشاریہ ہوتا تو اچھا تھا۔

© rasailojaraid.com